سوال

(06) کیا دعا میں غیر اللہ کا وسیلہ جائز ہے؟

جواب

السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

منامہ (بحرین) سے سردار محمد انور لکھتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جس نے میرے نیک بندے (ولی اللہ) سے عداوت رکھی میں اس کے خلاف اعلان جنگ کرتا ہوں۔'' قرب الٰہی سے بندہ مومن کی سماعت و بصارت 'پکڑ و رفتار' سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی خاص نگرانی میں آجاتی ہیں اور اس کی برکات کے باعث مومن کے اعضاء جسمانی میں گویا قوت الٰہی کام کرنے لگ جاتی ہے اب آپ ہی بتائیں کہ ایسے ولی اللہ کی سفارش یا وسیلے سے مانگی ہوئی دعا کو جائز کس طرح نہ کہا جائے اور یہ شان تو اس امتی کی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا جب کہ ہمارے نبی ﷺ کی شان تو کہیں زیادہ ہے۔

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

جہاں تک شفاعت اور اس کے شرعی مفہوم کا تعلق ہے تو اس بارے میں ''صراط مستقیم'' کے گزشتہ شمارے میں مفصل جواب شائع ہو چکا ہے۔ زیر نظر سوال بنیادی طور پر وسیلے کے بارے میں ہے۔ اس لئے وسیلے کی شرعی حیثیت کے بارے میں بحث سے پہلے لفظ ''الوسیلہ'' کا لغوی اور شرعی معنی و مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب 'مفردات القرآن میں الوسیلہ کا جو معنی تحریر کرتے ہیں' اس کا خلاصہ یہ ہے ''کسی شئے تک رغبت سے پہنچنا''

امام ابن جریر طبری وسیلہ کا معنی لکھتے ہیں: ''اللہ سے ایسے اعمال کے ساتھ تقرب چاہنا جو اس کی خوشنودی کا باعث ہو''

بعض لوگ سورہ مائدہ کی یہ آیت بھی بندوں کا وسیلہ پکڑنے کے جواز میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ ... ٣٥ ... سورة المائدة

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف جانے کے لئے وسیلہ تلاش کرو۔''

حالانکہ یہاں وسیلے سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ دعا میں کسی کا واسطہ یا وسیلہ ڈالا جائے یا پھر کسی کے واسطے یا وسیلے سے عذاب سے بچ جائے۔ یہاں بھی وسیلے سے مراد عمل سے قربت حاصل کرنا ہے۔ علامہ ابن جریر طبری' امام ابن کثیر' اور امام رازی سارے اس بات پر متفق ہیں کہ قرآنی آیت سے وسیلے سے مراد اعمال صالحہ کے ذریعے قرب الٰہی حاصل کرنا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمتہ اللہ علیہ نے وسیلے کے مفہوم پر جو بات کہی وہ زیادہ جامع اور مفصل ہے ۔ ان کے پاس دو آدمی یہ جھگڑا لے کر آئے ۔ ایک کہتا تھا کہ اللہ اور بندے کے درمیان کسی واسطے یا وسیلے کا ہونا ضروری ہے اور دوسرا یہ کہتا تھا کہ اللہ اور بندے کے درمیان کسی واسطے کی ضرورت نہیں ۔ اس پر امام موصوف فرماتے ہیں :

اگر اس شخص کی مراد یہ ہے کہ اللہ اور بندے کے درمیان کوئی ایسا واسطہ ضرور ہونا چاہیئے جس سے بندوں کو یہ معلوم ہو کہ اللہ کن اعمال سے خوش ہوتا ہے اور کن اعمال کو پسند فرما کر اپنے تابعدار بندوں پر رحمتیں اور نوازشیں کرتا ہے اور وہ کون سے برے اعمال ہیں جن کی وجہ سے بندے اس کے عذاب کی گرفت میں آجاتے ہیں ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی شان کے لائق کون سے نام ہیں ۔ ان چیزوں کو براہ راست جاننا عقل انسانی کےلئے ممکن نہیں ہوتا ۔ اس لئے کسی واسطے یا وسیلے کی ضرورت ہوتی ہے ۔ اس کےلئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے رسول اور نبی بھیجے جن کے ذریعے سے یہ چیزیں معلوم کر کے لوگوں نے نیک اعمال معلوم کر کے ہدایت کا راستہ پایا ۔

مگر جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کیا کسی ''غوث قطب یا دوسرے یا فرد کے بغیر اللہ تک رسائی ممکن ہے تو یہ چیز پھیل گئی ہے کہ لوگ ان بے بنیاد باتوں کو اسلام کا جزو بنا رہے ہیں ۔ حالانکہ اللہ تک پہنچنے کےلئے یا اس سے کچھ مانگنے کےلئے کسی واسطے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں''

اصل میں اس مسئلے کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں ۔ یعنی وسیلے کی دو قسمیں ہیں ایک جائز اور ایک ناجائز ۔

پہلی قسم جسے ہم جائز قرار دے سکتے ہیں اس میں درج ذیل صورتیں شامل ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ کی ذات کی پہچان 'اس کی صفات کی معرفت اور اس کے احکام کا جاننا' یہ انبیاء اور رسولوں کے ذریعے ممکن ہے ۔ انسان اپنی عقل یا کسی دوسرے واسطے سے ان کا علم حاصل نہیں کر سکتا ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اس لئے بھیجے تاکہ وہ مخلوق الٰہی کو ان باتوں کی تعلیم دے سکیں ۔

جیسا کہ ارشاد قرآنی ہے ۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ٢ ... سورة الجمعة

''وہ ذات جس نے ان پڑھوں کی طرف ان میں سے رسول بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے 'ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور اس سے پہلے واضح گمراہی میں تھے ۔''

اب یہاں جن باتوں کا ذکر کیا گیا ہے 'یہ رسول ہی کے ذریعے حاصل کی جا سکتی ہیں اور اس لحاظ سے رسول وسیلہ ہیں اللہ اور بندے کے درمیان اور جب رسول دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی تعلیمات اس وسیلے کا کام دیتی ہے اور یہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اللہ کی ذات اور اس کی صفات کی پہچان کےلئے ہمارے پاس قرآن و حدیث اور ان کے ذریعے اس کی معرفت اور اس کی اطاعت کے طریقے ہم معلوم کر سکتے ہیں ۔ اس لحاظ سے قرآن و سنت بھی ہمارےلئے وسیلے کا کام دیتے ہیں ۔

خلاصہ کلام یہ کہ انبیاء کرام جب زندہ ہوتے ہیں تو ان کے ذریعے دین و شریعت کی باتیں اور احکام الٰہی حاصل کرتے ہیں اور جب وہ فوت ہو جاتے ہیں تو پھر ان کی تعلیمات ہمارےلئے اس وسیلے کا کام دیتی ہیں ۔

(۲) جائز وسیلے کی دوسری قسم دعا ہے یعنی کسی بھی زندہ مسلمان کا دوسرے مسلمان کےلئے دعا کرنا یہ مسلمان کے اخلاقی فرائض میں بھی شامل ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کےلئے نیکی اور خیر کی دعا کرے اور ایک لحاظ سے اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگنے اور طلب کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ بھی ہے ۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کےلئے دعا فرمایا کرتے تھے ۔ صحابہ کرام ایک دوسرے کےلئے دعا کی درخواست بھی کرتے اور دعائیں بھی کیا کرتے تھے ۔

مگر یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ دعا کا یہ وسیلہ صرف زندوں تک محدود ہے مرنے کے بعد کسی سے دعا کی امید رکھنا قرآن و سنت سے ثابت نہیں۔ بعض لوگ قرآن حکیم کی یہ آیت پیش کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ انتقال کے بعد بھی لوگوں کےلئے دعائیں کرتے ہیں۔

آیت قرآنی ہے :

جاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ ﴿٦٤﴾... سورةالنساء

"کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو وہ اللہ سے بخشش طلب کریں اور رسول ان کےلئے بخشش مانگے۔"

اب یہ رسول اکرم ﷺ کی حیات مبارکہ کی بات ہے کہ جب آپ ﷺ کے پاس آ کر وہ خود بھی بخشش مانگتے اور رسول بھی ان کےلئے بخشش کی دعا کرتے کیونکہ جب آپ ﷺ اس دنیا سے رخصت ہوگئے تو اس امر کا کوئی ثبوت نہیں کہ صحابہ کرام بخشش کی دعا کےلئے جوق درجوق آپ کے روضہ اقدس پر آتے ہوں یا اسکے بعد بھی آپ ﷺ سے بخشش کی دعا کی درخواست کرتے ہوں۔ اس بات کا سیرت صحابہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

(۳) نیک اعمال کا وسیلہ بھی جائز ہے یعنی کوئی آدمی اللہ سے کچھ مانگنے کےلئے یا مصیبت کے ٹالنے کےلئے کسی نیکی اور اچھے عمل کا حوالہ دیتا ہے اور اسے بطور وسیلہ پیش کرتا ہے تو یہ جائز ہے۔ صحیح حدیث میں ان تین آدمیوں کا واقعہ مذکور ہے جو ایک غار میں پھنس گئے تھے تو انہوں نے اپنے اپنے نیک عمل جو انہوں نے خالص اللہ کی رضا کےلئے کئے تھے ان کا واسطہ دے کر اس مصیبت سے نجات حاصل کرنے کہ دعا کی تھی۔ اس سے نیک عمل کا وسیلہ ثابت ہوجاتا ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کی صفات کا وسیلہ ڈالنا بھی جائز ہے یعنی کوئی آدمی یہ کہتا ہے کہ اے اللہ تو مجھے اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے معاف کردے۔ یا وہ کہتا ہے کہ اللہ میں تجھے تیرے غفور و رحیم ہونے کا واسطہ دے کر تجھ سے فلاں بات طلب کرتا ہوں یا فلاں چیز مانگتا ہوں 'تو یہ وسیلہ بھی جائز اور مشروع ہے۔

(۵) علم وہنر حاصل کرنے کےلئے کسی استاد کے آگے زانوئے تلمذ طے کرنا یا کسی کتاب کا پڑھنا یہ بھی جائز وسائل ہیں۔ انسان جب تک کوئی استاد نہیں پکڑے گا علم حاصل نہیں کرسکے گا۔ اسی طرح حصول علم و فن کےلئے کتابوں اور دوسرے ذرائع کا استعمال کرنا بھی جائز و مشروع ہے۔ دینی و دنیاوی علوم کے حصول کےلئے مختلف وسائل کا مہیا ہونا بھی بہر حال ضروری ہوتا ہے۔

(٦) اللہ تعالیٰ نے اس نظام کائنات کو چلانے کےلئے جو وسائل پیدا فرمائے ہیں ان کا استعمال کرنا بھی جائز بلکہ بعض حالات میں ضروری ہے جیسے کھانا پکانے کےلئے آگ کا جلانا 'سفر کےلئے سواری کا استعمال کرنا' پیاس بجھانے کےلئے پانی پینا 'بچوں کی پیدائش کےلئے خاوند بیوی کا ملاپ 'یہ اور اس طرح کے متعدد وسیلے ہیں جن سے دنیاوی معاملات میں ہم مستفید ہوتے ہیں۔ یہ وسیلے بھی جائز اور مشروع ہیں۔

یہ تو ہم نے وسیلے کی چند وہ صورتیں بیان کی ہیں جو جائز ہیں۔ مگر ان صورتوں کا بیان کرنا بھی ضروری ہے جو ناجائز اور غلط ہیں جن میں درج ذیل وسیلے کی مروجہ شکلیں خاص طور بھی قابل ذکر ہیں :

(۱) اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت کسی شخصیت کا درمیان میں واسطہ ڈالنا جائز نہیں چاہے وہ شخصیت نبی 'ولی' فرشتہ اور کوئی بزرگ ہی کیوں نہ ہوں۔ کیونکہ شریعت میں اس کوئی ثبوت نہیں۔

ہمارے سامنے سب سے پہلے قرآن مجید ہے۔ قرآن میں جا بجا انبیاء کرام کی دعائیں مذکور ہیں۔ کسی نبی کی کسی دعا میں کسی دوسرے برگزیدہ نبی کے واسطے یا وسیلے کا ذکر تک نہیں۔ اگر یہ کوئی مشروع یا جائز چیز ہوتی یا باری تعالیٰ اسے ضروری سمجھتے تو ایسی دعاؤں کا ذکر فرماتے جن میں کسی نبی کے واسطے کا ذکر ہوتا۔

پھر قرآن میں دوسرے مومنین اور اللہ کے نیک بندوں کی دعاؤں کے کئی نمونے اور مثالیں موجود ہیں مگر کسی دعا میں کسی وسیلے یا واسطے کا کوئی نشان تک نہیں اور ظاہر ہے سب سے بہترین دعائیں قرآنی دعائیں ہیں اور سب سے بہتر الفاظ قرآنی دعاؤں کے ہیں۔ جب قرآنی دعاؤں کے الفاظ میں وسیلہ اور واسطہ نہیں تو ہم اپنی طرف سے دعاؤں میں یہ اضافہ کیونکر کرسکتے ہیں۔

خود نبی کریم ﷺ جب اللہ سے مانگتے اور دعا کا طریقہ بتاتے تو اس میں بھی کسی واسطے کا ذکر نہیں فرماتے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا:

اذا سالت فاسئل اللہ واذا استعنت فاستعن باللہ (مشکوۃ للالبانی رقم الحدیث ۵۳۰۲ باب اللتوکل والصبر ۱۴۰۹)

''کہ جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کرو اور جب مدد چاہتا ہو تو اللہ سے مدد چاہو۔''

بلکہ اس وسیلے میں رسول اللہ ﷺ نے کسی دوسرے کی کیا اپنی شرکت یا واسطے کے معمولی شبہ کو بھی برداشت نہیں فرمایا۔ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک آدمی نے آپ کے سامنے یہ الفاظ کہے کہ:

''ماشاء اللہ وما شاء محمد'' (سنن ابن ماجہ للالبانی ابواب الکفارات ج ا باب النھی ان یقال ماشاء اللہ وماشاء محمد ص ۳۹۲ رقم الحدیث۔ ۲۱۳۔)

''کہ جیسے اللہ چاہے اور جیسے محمد ﷺ نے چاہا۔''

اس آپ ﷺ نے فرمایا:

جعلت للہ نداً (الادب المفرد باب قول الرجل ماشاء اللہ وسنت ۸۰۴ 'نیز فتح الباري ۱۱/۵۴۰ کتاب الایمان والنذور باب لایقول ماشاء اللہ وشئت کے تحت اجعلتنی واللہ عدلا کے الفاظ ہیں۔)

''کہ تو نے مجھے اللہ کا شریک بنا دیا؟''

پھر فرمایا:

لاتقولوا ماشاء اللہ وشاء محمد بل قولوا ماشاء اللہ وحدہ (مشکوۃ للالبانی ج ۳ کتاب الادب الاسامی ص ۱۳۴۹ رقم الحدیث ۴۷۴۹۔)

''کہ یہ مت کہو کہ جو اللہ چاہے اور محمد چاہے بلکہ یہ کہو کہ جو صرف اللہ تعالیٰ چاہے''

اور پھر یہ اہم نکتہ بھی ہمارے پیش نظر رہنا چاہئے کہ وسیلے اور واسطے کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں کوئی دوری یا فاصلہ ہو۔ اللہ تعالیٰ یو یہ فرماتے ہیں کہ

وَنَحنُ أَقرَبُ إِلَيهِ مِن حَبلِ الوَريدِ ١٦ ... سورة ق

''ہم تو بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے:

وَإِذا سَأَلَكَ عِبادي عَنّي فَإِنّي قَريبٌ ۖ أُجيبُ دَعوَةَ الدّاعِ إِذا دَعانِ ... ١٨٦ ... سورة البقرة

''جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو انہیں بتائیں کہ میں قریب ہوں۔ دعا کرنے والے کی دعا سنتا ہوں جب بھی وہ دعا کرتے ہیں۔''

ان دو آیتوں کے بعد اس امر کی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی کہ انسان اللہ کی ذات تک رسائی یا اس سے کچھ مانگنے کےلئے کسی دوسرے واسطے یا وسیلے کا محتاج ہے۔

ہمارے بعض نادان بھائی یہ مثال دے کر عوام کو شبہ میں ڈلنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اگر مکان کی چھت پر جانا ہو تو سیڑھی لگانے کی ضرورت پڑتی ہے 'تو اللہ کی ذات تک رسائی یا اس سے کچھ مانگنے کےلئے یا اللہ تک پہنچنے کےلئے کسی واسطے کی کیوں ضرورت نہیں؟

(۱) پہلی بات تو یہ کہ اللہ کی ذات کےلئے اس طرح کی مثالیں دینا ہی جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ:

وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ... ٦٠ ...سورة النحل

''اللہ کی ذات کےلئے تو بڑی بلند مثالیں ہیں۔''

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ... ١١ ...سورة الشورىٰ

''اسی کی مثل کوئی نہیں''

اس لئے سیڑھی کی مثال دینا ہی غلط ہے اور پھر ہم پہلے ہی واضح کرچکے ہیں کہ جو ذات انسان کی شہ رگ سے قریب ہے وہ اپنے بندے کی اونچی اور آہستہ پکار سنتا ہے اور بندے اور رب کے درمیان کوئی فاصلہ ہی نہیں ہے۔ تو پھر سیڑھی کہاں لگاؤ گے؟

کیا بندے اور شہ رگ کے درمیان سیڑھی لگائی جا سکتی ہے؟ اور پھر کیا دیناوی اسباب کا استعمال جائز ہے؟

(۲) وسیلے کی ایک اور ناجائز شکل جو مروج ہے وہ کسی قبر پر جا کر قبر والے کا واسطہ دے کر دعا کرنا ہے۔ یہ بھی قرآن وسنت کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ ہمارے سامنے سب سے بڑی مثال سرورِ دوعالم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی ہے۔ صحابہ کرام نے مشکل سے مشکل دور اور نازک سے نازک تر حالات میں بھی کبھی یہ نہیں کیا تھا کہ آپ کے روضہ مبارک پر جا کر آپ سے مانگتے یا آپ کے وسیلے سے دعا کرتے۔

بلکہ اس کے برعکس یہ ثابت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد ایک موقع پر حضرت عمر فاروقؓ نے حضور کے چچا حضرت عباسؓ سے دعا کرائی ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے ذکر کیا ہے کہ زندہ آدمی سے دعا کرانا بہر حال جائز ہے اور اگر کوئی اسے وسیلہ سمجھتا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے دعا کراتے وقت توسل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے تو دعا کی درخواست کی مگر روضہ رسول ﷺ کے قریب بیٹھ کر یہ ضرورت محسوس نہیں کر رہے کہ وہ اور دوسرے صحابہ حضور ﷺ کے روضے پر جا کر آپ ﷺ سے حاجت روائی یا مشکل کشائی کی درخواست کرتے یا آپ ﷺ کا واسطہ دے کر وہاں کھڑے ہو کر دعا کرتے تو کیا حضرت عمرؓ اور اس وقت موجود تمام صحابہ کرامؓ کا عمل ہمارے لئے مثال نہیں ہے؟

یہاں ایک اور شبہ کا ازالہ بھی ضروری ہے۔ جہلا کے ہاں یہ خیال بھی بہت مشہور ہے کہ اگر کسی بڑے افسر کے پاس کسی کام کےلئے جانا ہو تو پہلے کلرک یا کسی چھوٹے افسر کے پاس جانا پڑتا ہے۔ اس طرح اگر بادشاہ کے پاس کوئی حاجت لے کر جانا ہو تو پہلے کسی وزیر یا مشیر کا واسطہ تلاش کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑا بادشاہ اور حاکم اعلیٰ ہے۔ اس کے پاس یوں ہی چلے جائیں؟

یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی ذات کےلئے غلط مثال دی گئی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ دنیاوی افسروں اور بادشاہوں تک رسائی کےلئے کچھ واسطے ڈھونڈنے پڑتے ہیں اور بعض اوقات ان واسطوں اور سفارشوں کے بغیر ان صاحبوں تک رسائی ممکن بھی نہیں ہوتی مگر یہ کیوں؟ عام طور پر اس کی دو وجوہ ہوتی ہیں۔

اول یہ کہ جو آدمی ان تک رسائی چاہ رہا ہوتا ہے وہ حاکم یا افسر اسے جانتا نہیں کہ یہ کون اور کیسا آدمی ہے۔ اس لئے درمیان میں کسی ایسے واسطے کی ضرورت ہوتی ہے جو اس آدمی کو جانتا ہو اور بادشاہ سلامت کو اس شخص کا تعارت کرواسکے تو گویا کہ بادشاہ یا وہ افسر اس بات کا محتاج ہوتا ہے کہ جو اسے ملنا چاہتا ہے یا اس کے پاس آنا چاہتا ہے کوئی ایسا شخص درمیان میں ہو جو اس آدمی کے بارے میں بادشاہ کو باخبر کرے۔

دوم یہ کہ اس بادشاہ یا اس افسر کو یہ علم نہیں ہوتا کہ یہ شخص جو مسئلہ یا ضرورت لے کر اس کے پاس آ رہا ہے اس میں وہ سچا ہے یا جھوٹا اور ضرورت مند ہے یا غیر ضرورت مند۔ اب یہاں دنیاوی حکمران کو اس بات کی محتاجی ہوتی ہے کہ درمیان کے کچھ واسطے اسے صحیح صورت حال سے آگاہ کر سکیں اور وہ مختلف وسیلوں سے یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے کہ اس کے پاس جو شخص آ رہا ہے وہ کس حد تک اپنے قول میں سچا ہے۔

اب ذرا ایمان داری سے غور فرمائیں کہ کیا اللہ تعالیٰ بھی ان باتوں کا محتاج ہے؟ معاذاللہ ہرگز نہیں۔ وہ تو سب کچھ جانتا ہے اسے پہلے سے سب کچھ علم ہے۔ وہ ہرگز ہرگز اس بات کا محتاج نہیں کہ کسی سے مشورہ کرے پھر کسی سے ملنے یا نہ ملنے کا فیصلہ کرے۔ یا کسی کی ضرورت اور حاجت کے بارے میں اپنے کسی وزیر یا مشیر کے ذریعے سے تحقیق کروائے پھر اس کی ضرورت پوری کرنے کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر فرمائے۔ اس کی ذات ان باتوں سے بے پرواہ ہے اس لئے ذات باری تعالیٰ کے بارے میں اس طرح کی مثالیں دینا سراسر جہالت ہے۔

(۳) اس سلسلے میں ہمارے ہاں ایک اور غلط تصور بھی رائج ہے اور وہ یہ کہ اللہ کی ذات بڑی عظیم اور اعلیٰ ہے جب کہ ہم بڑے عاجز اور گناہ گار ہیں۔ ہماری رسائی اس ذات تک کہاں ہو سکتی ہے۔ بڑی بڑی مقدس اور نیک ہستیاں ہی اس کے سامنے آ سکتی ہیں اور وہ انہی کو سنتا ہے۔ گناہ گاروں اور سیاہ کاروں کی کہاں سنتا ہے۔ یہ تصور بھی اللہ تعالیٰ کی صفات سے لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ اللہ تو کریم ہے وہ نیک و بد دونوں کی سنتا ہے۔ اس کے سامنے امیر و غریب سارے برابر ہیں۔ بلکہ بعض اوقات وہ گناہ گاروں کی جلدی سنتا ہے اور وہ اسے پکارتا ہے تو زیادہ خوش ہوتا ہے۔ وہ تو حیوانوں ' پرندوں اور کیڑوں مکوڑوں کی بھی سنتا ہے۔ وہ کتنا ناکارہ مسلمان ہے جو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی نہیں سنے گا جب تک کہ وہ کسی واسطے کے ذریعے اس تک اپنی درخواست نہیں پہنچائے گا۔

قرآن تو بار بار گناہ گاروں کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ:

اللہ کے دربار میں حاضر ہو کر اپنے گناہوں کی معافی طلب کرو۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ وہ تو سارے گناہ معاف کر دیتا ہے بشرطیکہ کوئی سچے دل سے اس کے سامنے توبہ کرے۔

اس نے کبھی یہ نہیں کہا کہ کوئی گناہ گار میرے دربار میں کسی وسیلے کے بغیر نہیں آ سکتا۔

یہاں تک ہم نے ''وسیلے'' کے موضوع پر ضروری مسائل کا ذکر کر دیا ہے اور بعض اہم پہلو تحریر کئے ہیں جن کے ذریعے اس مسئلے کی شرعی حیثیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اب ہم اس حدیث کا اختصار سے جائزہ لیتے ہیں جس کا ذکر سوال میں کیا گیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کے نیک بندوں یعنی اولیاء اللہ کی دشمنی کو حدیث میں اللہ کے خلاف اعلان جنگ قرار دیا گیا۔ اسی طرح یہ بھی درست ہے کہ نیک بندوں کے اعضاء جسمانی اللہ کی مرضی کے تابع ہوتے ہیں۔ کوئی جتنا نیک ہوتا ہے اس کے اعضاء اتنے ہی اس کی مرضی کے تابع اور اس کے احکام کے پابند ہوتے ہیں اور جس طرح اللہ چاہتا ہے ایسے ہی وہ بولتا ہے جیسے اللہ کا حکم ہوتا ہے ویسے وہ چلتا ہے۔ غرض ساری حرکات و سکنات میں وہ ذات واحد کی قائم کردہ حدود کی پوری اور مکمل پابندی کرتا ہے تو یہ درست نہیں کہ اس بندے میں قوت الٰہی منتقل ہو جاتی ہے یا اسے ایسی قوت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ایسے کام کرنے لگ جاتا ہے جو عام بندے نہیں کر سکتے اور نہ ہی مذکورہ حدیث میں ایسے الفاظ آئے ہیں۔

اس بارے میں درج ذیل باتوں پر غور کرنے سے مسئلے کی نوعیت اور زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔

(ا) ہر مسلمان کا یہ ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو قرب و سرور کائنات ﷺ کو حاصل ہوا'' وہ کسی دوسرے کو نہیں مل سکا۔ اس طرح اللہ عبادت اور تقوے و پاکیزگی اور مقام کی رفعت وبلندی میں ساری مخلوق الٰہی میں آپ کا کوئی ہم سر نہیں۔ آپ کے اعضاء مبارکہ سب سے زیادہ اللہ کی مرضی کے تابع تھے'' اسی طرح آپ کی سماعت و بصارت بطور خاص اللہ کی نگرانی میں تھیں۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ٣ ... سورة النجم

''وہ تو اپنی خواہش سے بولتے بھی نہ تھے۔''

مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا آپ ﷺ کو کوئی ایسی قوت الٰہی حاصل ہوگئی تھی کہ آپ نے یہ فرمایا ہو کہ میرا وسیلہ پکڑو' یا میرے وسیلے سے دعا کرو یا میں کسی کو بخشوانے یا چھڑوانے کی گارنٹی دیتا ہوں۔ ہرگز کسی ایسی بات کا ذکر قرآن وسنت میں نہیں ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے۔ آپ تو یہ فرمارہے ہیں کہ :

مانگو تو اللہ سے مانگو۔ پکارو اور مدد طلب کرو تو اللہ سے طلب کرو۔

جب خود حضور یہ نہیں فرمارہے تو ہمیں کیا حق حاصل ہے کہ آپ کا وسیلہ ڈال کر اللہ کو پکاریں۔ ہمارے لئے اصل دلیل تو حضور اکرم ﷺ کا ارشاد اور عمل ہے نہ کہ اپنا اندازہ یا قیاس۔

(ب) حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنی پیاری بیٹی حضرت فاطمہ الزہراؓ اور اپنی پھوپھی حضرت صفیہؓ سے بار بار یہ فرمایا کہ :

میرے ساتھ تعلق کی وجہ سے نیک اعمال ترک نہ کرنا' یا میرے سہارے کی امید پر نہ رہنا بلکہ اپنی عملی زندگی کا خیال رکھنا' اس کے بغیر نجات نہ ہوگی۔ میں وہاں تمہارے کسی کام نہ آؤں گا اگر تمہارے اعمال درست نہ ہوئے تو۔

اب اس حدیث کے بعد رسول اللہ ﷺ یا کسی بزرگ ولی اللہ کے بارے میں کون سے قوت الٰہی کا عقیدہ رکھ کر وسیلہ بنائیں گے؟

(ج) قرآن کریم میں سورہ بنی اسرائیل پارہ ۱۵ کی آیات ۱۹ سے لے کر ۹۵ تک کا مطالعہ کیجئے کہ :

جب کفار نے آپ ﷺ سے یہ کہا کہ آپ چشمے جاری کرکے دکھائیں۔ باغات آپ کی ملکیت میں ہوں۔ آسمان سے عذاب الٰہی ہم پر گرائیں۔ آپ کے پاس خوبصورت محلات ہوں' خود ہمارے سامنے آسمان پر چڑھ کر وہاں سے کتاب لاکر دکھاؤ۔ اس طرح کی باتیں دکھاؤ تو پھر ایمان لائیں گے۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا'' میں تو ایک انسان رسول ہوں'' یعنی تم جن قوتوں کا مطالبہ کررہے ہوں یہ تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔

اس لئے بھائی صاحب سوال یہ نہیں کہ کسی بڑے بزرگ انسان یا برگزیدہ نبی کے وسیلے سے مانگی ہوئی دعا کو ہم جائز کریں۔ بلکہ سوال یہ ہے کہ قرآن وسنت میں اس کا ثبوت ہے یا نہیں۔ ورنہ انبیاء کرام کی شان اور اولیاء اللہ کے مقام کی بلندی اور قرب الٰہی کا انکار کوئی مسلمان کیسے کرسکتا ہے۔

هذا ما عندي والله أعلم بالصواب

فتاویٰ صراط مستقیم

ص46

محدث فتویٰ